

تفسیر القرآن

الکافر

نام | پہلی آیت کے لفظ التکاثر کو اس سورۃ کا نام قرار دیا گیا ہے۔
 زمانہ نزول | ابو حیان اور شوکانی کہتے ہیں کہ یہ تمام مفسرین کے نزدیک مکی ہے۔ اور امام سیوطی کا قول ہے کہ مشہور ترین بات یہی ہے کہ یہ مکی ہے، لیکن بعض روایات ایسی ہیں جن کی بنا پر اسے مدنی کہا گیا ہے، اور وہ یہ ہیں:

ابن ابی حاتم نے ابو بکر بدیع کی روایت نقل کی ہے کہ یہ سورۃ انصار کے دو قبیلوں بنی حارثہ اور بنی الحارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ دونوں قبیلوں نے ایک دوسرے کے مقابلے میں پہلے اپنے زندہ آدمیوں کے منافع بیان کیے، پھر قبرستان جا کر اپنے اپنے مرے ہوئے لوگوں کے منافع پیش کیے۔ اس پر یہ ارشاد الہی نازل ہوا کہ اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ۔ لیکن شان نزول کے بارے میں صحابہ و تابعین کا جو طریقہ تھا، اس کو اگر نگاہ میں رکھا جائے تو یہ روایت کی دلیل نہیں ہے کہ سورۃ تکاثر اسی موقع پر نازل ہوئی تھی، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں قبیلوں کے اس فعل پر یہ سورۃ چسپاں ہوتی ہے۔

امام بخاری اور ابن جریر نے حضرت اُبی بن کعبؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو کہ لو ان لابن ادم وادبیین من حال فتمشی وادیًا ثالثا ولا یملأ جنت ابن ادم الا التواب داگر آدم نادر کے پاس دو وادیاں بھر کر مال ہو تو وہ تیسری وادی کی تمنا کرے گا۔ ابن آدم کا پیٹ مٹی کے سوا کسی چیز سے نہیں بھر سکتا، قرآن میں سے سمجھتے تھے، یہاں تک کہ اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ نازل ہوئی۔ اس حدیث کو سورۃ تکاثر کے مدنی ہونے کی دلیل اس بنا پر قرار دیا

گیا ہے کہ حضرت اُبی مدینے میں مسلمان ہوتے تھے۔ مگر حضرت اُبی کے اس بیان سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ صحابہ کرام کس معنی میں حضور کے اس ارشاد کو قرآن میں سے سمجھتے تھے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ اسے قرآن کی ایک آیت سمجھتے تھے تو یہ بات ماننے کے لائق نہیں ہے، کیونکہ صحابہ کی عظیم اکثریت اُن اصحاب پر مشتمل تھی جو قرآن کے حرف حرف سے واقف تھے، ان کو یہ غلط فہمی کیسے لائق ہو سکتی تھی کہ یہ حدیث قرآن کی ایک آیت ہے۔ اور اگر قرآن میں سے ہونے کا مطلب قرآن سے ماخوذ ہونا لیا جائے تو اس روایت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں جو اصحاب داخل اسلام ہوئے تھے انہوں نے جب پہلی مرتبہ حضور کی زبان مبارک سے یہ سورۃ سنی تو انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ ابھی نازل ہوئی ہے، اور پھر حضور کے مذکورہ بالا ارشاد کے متعلق اُن کو یہ خیال ہوا کہ وہ اسی سورۃ سے ماخوذ ہے۔

ابن جریر، ترمذی اور ابن المنذر وغیرہ محدثین نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم عذابِ قبر کے بارے میں برابر شک میں پڑے رہے یہاں تک کہ اَلطَّحْمَرُ التَّكَاثُرُ نازل ہوئی۔ اس کو سورۃ نکاتر کے مدنی ہونے کی دلیل اس بنا پر قرار دیا گیا ہے کہ عذابِ قبر کا ذکر مدینے ہی میں ہوا تھا، مگر اس کا کوئی ذکر نہیں ہوا تھا۔ مگر یہ بات غلط ہے قرآن کی کئی سورتوں میں نکاتر مقامات پر قبر کے عذاب کا ایسے صریح الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے کہ شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو الانعام، آیت ۹۳۔ النحل، ۲۸۔ المؤمنون ۹۹۔ ۱۰۰۔ المؤمن ۴۵۔ ۴۶۔ یہ سب کئی سورتیں ہیں۔ اس لیے حضرت علیؓ کے ارشاد سے اگر کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا کئی سورتوں کے نزول سے پہلے سورۃ نکاتر نازل ہو چکی تھی، اور اس کے نزول نے عذابِ قبر کے بارے میں صحابہ کے شک کو دور کر دیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ ان روایات کے باوجود مفسرین کی عظیم اکثریت اس کے مکی ہونے پر متفق ہے۔ ہمارے نزدیک صرف یہی نہیں کہ یہ مکی سورۃ ہے، بلکہ اس کا مضمون اور انداز بیان یہ تبارہا ہے کہ یہ کتب کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔

موضوع اور مضمون | اس میں لوگوں کو اُس دنیا پرستی کے بُرے انجام سے خبردار کیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ مرتے دم تک زیادہ سے زیادہ مال و دولت، اور دنیوی فائدے اور تہنیں اور

جاہ و اقتدار حاصل کرنے اور اُس میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے، اور انہی چیزوں کے حصول پر فخر کرنے میں لگے رہتے ہیں، اور اس ایک فکر نے اُن کو اس قدر مہلک کر رکھا ہے کہ انہیں اس سے بالاتر کسی چیز کی طرف توجہ کرنے کا ہوش ہی نہیں ہے۔ اس کے برے انجام پر متنبہ کرنے کے بعد لوگوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ یہ نعمتیں جن کو تم یہاں بے فکری کے ساتھ سمیٹ رہے ہو، یہ محض نعمتیں ہی نہیں ہیں بلکہ تمہاری آزمائش کا سامان بھی ہیں۔ ان میں سے ہر نعمت کے بارے میں تم کو آخرت میں جواب دہی کرنی ہوگی۔

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمائے والا ہے
تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لبِ گوشت تک پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں! لے اصل میں اَلْهٰکُمْ اَتَّکَاثُرُ فرمایا گیا ہے جس کے معنی میں اتنی وسعت ہے کہ ایک پوری عبارت میں بمشکل اس کو ادا کیا جاسکتا ہے۔

اَلْهٰکُمْ تہرے سے ہے جس کے اصل معنی غفلت کے ہیں، لیکن عربی زبان میں یہ لفظ ہر اُس شغل کے لیے بولا جاتا ہے جس سے آدمی کی دلچسپی اتنی بڑھ جائے کہ وہ اس میں مہلک ہو کر دوسری اہم تر چیزوں سے غافل ہو جائے۔ اس مادے سے جب اَلْهٰکُمْ کا لفظ بولا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی کھوئے تم کو اپنے اندر ایسا مشغول کر لیا ہے کہ تمہیں کسی اور چیز کا جو اُس سے اہم تر ہے، ہوش باقی نہیں رہا ہے۔ اُسی کی دھن تم پر سوار ہے۔ اُسی کی فکر میں تم لگے ہوئے ہو۔ اور اس انہماک نے تم کو بالکل غافل کر دیا ہے۔ تکاثر کثرت سے ہے، اور اس کے تین معنی ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی زیادہ سے زیادہ کثرت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ دوسرے یہ کہ لوگ کثرت کے حصول میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کریں۔ تیسرے یہ کہ لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں اس بات پر فخر جتائیں کہ انہیں دوسروں سے زیادہ کثرت حاصل ہے۔ پس اَلْهٰکُمْ اَتَّکَاثُرُ کے معنی ہوتے تکاثر نے تمہیں اپنے اندر ایسا مشغول کر لیا ہے کہ اُس کی دھن نے تمہیں اُس سے اہم تر چیزوں سے غافل کر دیا ہے۔ اس فقرے میں یہ تصریح نہیں کی گئی ہے کہ تکاثر میں کس چیز کی کثرت اور اَلْهٰکُمْ میں کس چیز سے غافل ہو جانا مراد ہے، اور اَلْهٰکُمْ تم کو غافل کر دیا ہے، اُسے مخاطب

عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ پھر دشمن لو کہ، ہرگز نہیں، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا ہرگز نہیں، اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے (اس روش کے انجام کو) جانتے ہوتے تو تمہارا یہ طرز عمل نہ ہوتا۔ تم دوزخ دیکھ کر رہو گے، پھر دشمن لو کہ، تم بالکل یقین کے ساتھ اُسے دیکھ لو گے۔ پھر ضرور اُس روز تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی۔

اع

سہ یعنی تمہیں یہ غلط فہمی ہے کہ متاع دنیا کی یہ کثرت، اور اس میں دوسروں سے بڑھ جانا ہی ترقی اور کامیابی ہے۔ حالانکہ یہ ہرگز ترقی اور کامیابی نہیں ہے۔ عنقریب اس کا بُرا انجام تمہیں معلوم ہو جائے گا اور تم جان لو گے کہ یہ کتنی بُری غلطی تھی جس میں تم عمر بھر مبتلا رہے۔ عنقریب سے مراد آخرت بھی ہو سکتی ہے، کیونکہ جس سہنی کی نگاہ ازل سے اب تک تمام زمانوں پر حاوی ہے، اس کے لیے چند ہزار یا چند لاکھ سال بھی زمانے کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں۔ لیکن اس سے مراد موت بھی ہو سکتی ہے، کیونکہ وہ تو کسی انسان سے بھی کچھ زیادہ دور نہیں ہے، اور یہ بات مرتے ہی انسان پر کھل جائے گی کہ جن مشاغل میں وہ اپنی ساری عمر کھپا کر آیا ہے وہ اس کے لیے سعادت و خوش بختی کا ذریعہ تھے یا بد انجامی و بد بختی کا ذریعہ۔

سہ اس فقرے میں ”پھر“ کا لفظ اس معنی میں نہیں ہے کہ دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد جواب طلبی کی جائے گی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر یہ خبر بھی ہم تمہیں دیے دیتے ہیں کہ تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سوال عدالت الہی میں حساب لینے کے وقت ہوگا۔ اس کی سب سے بُری دلیل یہ ہے کہ متعدد احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں بندوں کو دی ہیں ان کے بارے میں جواب دہی مومن و کافر سب ہی کو کرنی ہوگی۔ یہ الگ بات ہے کہ جن لوگوں نے کفرانِ نعمت نہیں کیا اور شکر گزار بن کر رہے وہ اس محاسبہ میں کامیاب رہیں گے، اور جن لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کا حق ادا نہیں کیا اور اپنے قول یا عمل سے، یا دوزخ سے ان کی ناشکری کی وہ اس میں ناکام ہوں گے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہم نے آپ کو تروتازہ کھجوریں کھلائیں اور ٹھنڈا پانی پلایا۔ اس پر حضور نے فرمایا ”یہ ان نعمتوں میں سے ہیں جن کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا“ دمسند احمد، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردودہ،

عبد بن محمد، پہنچتی فی الشعب)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ چلو ابو نعیم بن النبیہان انصاری کے ہاں چلیں۔ چنانچہ ان کو لیکر آپؐ ابن النبیہان کے غلستان میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے لاکھ کھجوریں کا ایک خوشہ رکھ دیا۔ حضورؐ نے فرمایا تم خود کیوں نہ کھجوریں توڑ لاتے؟ انہوں نے عرض کیا، میں چاہتا تھا کہ آپؐ حضرات خود چھانٹ چھانٹ کر کھجوریں تناول فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے کھجوریں کھائیں اور ٹھنڈا پانی پیایا۔ فارغ ہونے کے بعد حضورؐ نے فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ ان نعمتوں میں سے ہے جن کے بارے میں تمہیں قیامت کے روز جوابدہی کرنی ہوگی، یہ ٹھنڈا سایہ، یہ ٹھنڈی کھجوریں، یہ ٹھنڈا پانی۔ اس قصے کو مختلف طریقوں سے مسلم ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن جریر اور ابوالعلی وغیرہم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے جن میں سے بعض میں اُن انصاری بزرگ کا نام بیگیا ہے اور بعض میں صرف انصاریں سے ایک شخص کہا گیا ہے۔ اسی قصے کو مختلف طریقوں سے متعدد تفصیلات کے ساتھ ابن ابی حاتم نے حضرت عمرؓ سے، اور امام احمد نے ابو عبید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام سے نقل کیا ہے۔ ابن حبان اور ابن مردودہ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریب قریب اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ابویوب انصاری کے ہاں پیش آیا تھا،۔

ان احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سوال صرف کفار ہی سے نہیں، مومنین صالحین سے بھی ہوگا۔ میں خدا کی وہ نعمتیں جو اُس نے انسان کو عطا کی ہیں، تو وہ لامحدود ہیں، اُن کا کوئی شمار نہیں کیا جاسکتا، بلکہ بہت سی نعمتیں تو ایسی ہیں کہ انسان کو اُن کی خبر بھی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ تَعْدُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنتو تو تم ان کا پورا شمار نہیں کر سکتے۔ (ابراہیم ۳۴)۔ ان نعمتوں میں سے سجد و حساب نعمتیں تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست انسان کو عطا کی ہیں، اور بکثرت نعمتیں، وہ ہیں جو انسان کو اُس کے اپنے کسب کے ذریعہ سے دی جاتی ہیں۔ انسان کے کسبے حاصل ہونے والی نعمتوں کے متعلق اُس کو جوابدہی کرنی پڑے گی کہ اس نے ان کو کن طریقوں سے حاصل کیا اور کن راستوں میں خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی براہِ راست عطا کردہ نعمتوں کے بارے میں اُسے حساب دینا ہوگا کہ اُن کو اُس نے کس طرح استعمال کیا اور مجموعی طور پر تمام نعمتوں کے متعلق اُس کو بتانا پڑے گا کہ آیا اُس نے اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ یہ نعمتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں اور ان پر دل، زبان، اور عمل سے اُس کا شکر ادا کیا تھا، یا یہ سمجھتا تھا کہ یہ سب کچھ اُسے اتفاقاً مل گیا ہے، یا یہ خیال کیا تھا کہ بہت سے خدا انکے عطا کرنے والے ہیں، یا یہ غصیدہ رکھتا تھا کہ یہ میں تو خدا ہی کی نعمتیں مگر ان کے عطا کرنے میں بہت سی دوسری ہستیوں کا بھی دخل ہے اور اِس بنا پر انہیں معبود ٹھہرایا تھا اور نہ ہی ان کے شکر کیے اور کیے تھے؟